بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کی دہلیز پر انقلاب کی دستک

قاضی حسین احمد

پاکستان کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر اگر ہم اس کی تاریخ پر ایک نظر ڈال کر دیکھیں کہ اس عرصے میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا' تو سب سے پہلے ہمیں یہ ناقابل رشک منظر نظر آتا ہے کہ وہ پاکستان جو قائداعظمؒ کی رہنمائی میں ایک طویل جدوجہد کے نتیجے میں بنا تھا' دولخت ہو چکا ہے۔ مشرقی پاکستان' بنگلہ دیش بن گیا ہے جو آبادی کے لحاظ سے پاکستان سے بڑا ہے۔ اسی طرح انڈونیشیا اور بھارت کے اندر بھی مسلمانوں کی آبادی پاکستان سے زیادہ ہے۔ اس طرح پاکستان نہ صرف دنیا کے سب سے بڑے اسلامی ملک ہونے کے اعزاز سے محروم ہو چکا ہے' بلکہ بچے کھچے پاکستان کا حال بھی یہ ہے کہ سخت بے یقینی کی صورت حال ہے۔ علاقائی' نسلی اور لسانی عصبیت کے ساتھ ساتھ مذہبی فرقہ واریت بھی عروج پر ہے۔ مسلمان قوم اور نظریاتی مملکت کی حیثیت سے ہم اپنی شناخت ہی قائم نہیں کر سکے اور نہ نئی نسل کے ذہنوں میں ایک اسلامی ریاست کا صحیح تشخص بٹھا سکے ہیں۔ اس کے برعکس شعوری کوشش کی جاتی رہی ہے کہ اسلام اور پاکستان کے بجائے وطنیت اور قومیت کو اجاگر کیا جائے۔ اس حقیقت کو صاف نظرانداز کر دیا گیا کہ اسلامی نظریے کو نظرانداز کرنے کے بعد ہر حوالہ مصنوعی بن جاتا ہے۔ خصوصاً وطنی قومیت تو پاکستان کا حوالہ کسی طرح بن ہی نہیں سکتی۔ پاکستان کو تو ایک وطن' ہندستان کو تقسیم کر کے حاصل کیا گیا تھا۔ اس نظریے سے انحراف کا نتیجہ ہے کہ آج ہم پانچ بڑے ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں اور مزید تقسیم در تقسیم کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ پاکستانی کے بجائے ہمیں پنجابی' سندھی' بلوچی' پٹھان اور مہاجر کی نسبتیں زیادہ محبوب ہیں۔ نظریہ پاکستان سے انحراف ہی کا نتیجہ ہے کہ مہاجر قومیت کا مصنوعی نعرہ لگایا گیا' ورنہ یہ بات کون نہیں جانتا کہ مہاجر اس شخص کو کہتے

ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر اپنے وطن سے ہجرت کرے۔

وہ لوگ جو دین کی خاطر ہندستان میں اپنے وطن، مال و دولت اور ہم زبان و ہم قبیلہ لوگوں کو چھوڑ کر آئے تھے، وہ یقیناً مہاجر تھے مگر پاکستان میں اس نظریے سے منہ موڑ لیا گیا۔ ان کے بچوں نے جب یہ دیکھا کہ ان کے آباو اجداد نے جس دین کی خاطر قربانیاں پیش کی تھیں، وہ تو موجود نہیں، بلکہ وطن پرستی کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے تو انھوں نے اپنے آپ کو یہاں اجنبی محسوس کیا۔ اسی اجنبیت کو ختم کرنے کے لیے انھوں نے مہاجر کا نعرہ لگایا۔ اس نعرے کے نتیجے میں وہ خود بھی مشکل میں مبتلا ہوئے اور پورے ملک کو بھی مصیبت میں ڈال دیا۔ یہی کچھ بنگالیوں نے کیا۔ انھوں نے جب دیکھا کہ پاکستان میں پاکستانی کے بجائے کوئی پنجابی ہے، کوئی سندھی، کوئی بلوچ اور کوئی پٹھان، تو انھوں نے کہا: ٹھیک ہے! ہم بنگالی ہیں۔ انھوں نے ناطہ ہی توڑ لیا۔

پاکستان کا نظریاتی تشخص اجاگر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس کا نظام تعلیم نظریاتی بنیادوں پر استوار کیا جاتا، ذرائع ابلاغ پاکستانیت اور اسلامیت کے فروغ کے لیے کام کرتے، مگر ان اداروں کو سیکولر طور طریقے سے چلانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ ملک کی باگ ڈور برطانوی استعمار نے جن ہاتھوں کو سونپی تھی، انھوں نے استعماری طریقوں کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی۔ دراصل برطانوی استعمار دو مقاصد لے کر یہاں آیا تھا۔ پہلا مقصد یہ تھا کہ اس کی تہذیب یہاں پھیلے۔ دوسرا مقصد ایک استحصالی نظام قائم کر کے یہاں کی دولت سمیٹ کر انگلستان لے جانا تھا۔ ان کے بعد ان کے شاگردوں اور ذہنی غلاموں نے بڑی محنت اور شوق سے یہاں مغربی تہذیب کی آبیاری کی۔ تعلیمی نظام کے وہی خدوخال باقی رکھے۔ ذرائع ابلاغ کو بھی اس مقصد کے لیے استعمال کیا گیا۔ مختلف حیلے بہانوں سے انگریزی زبان کو بھی برقرار رکھا گیا۔ انھوں نے اردو یا علاقائی زبانوں کو ترقی دینے پر کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔ ہمیشہ یہ استدلال پیش کرتے رہے کہ انگریزی تو ترقی کے لیے ایک نعمت ہے، اسے کیسے چھوڑ دیں۔ جہاں تک معاشی استحصال کا معاملہ ہے، تو انگریزوں کے یہ شاگرد اپنے استادوں پر بھی بازی لے گئے۔ شاید انگریز اتنی دولت لوٹ کر اپنے ہاں منتقل نہیں کر سکا تھا جتنی دولت یہ لوٹ کر یورپ اور امریکہ لے گئے ہیں۔ اخبارات میں کئی بار یہ بات شائع ہو چکی ہے کہ ہمارے بڑے سیاست دانوں اور بیوروکریٹوں کے پچاس ارب ڈالر صرف سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں موجود ہیں۔

ہمارے ملک پر کل بیرونی قرض، تیس ارب ڈالر ہے۔ ہم اس قرض کو اتارنے کے لیے مزید قرض لیتے ہیں۔ اس کا بڑا حصہ قرض کا سود ادا کرنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ دولت لوٹ کر باہر لے جانے والے ہمارے پندرہ بڑے سیاست دانوں کے نام وال سٹریٹ جرنل (Wall Street Journal) میں شائع ہوئے ہیں۔ ان سیاست دانوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بیرونی بنکوں میں ان میں سے ہر ایک کا اکاؤنٹ ایک

ارب ڈالر سے زیادہ کا ہے۔ اس فہرست میں بے نظیر اور نواز شریف دونوں کے نام شامل ہیں۔ ہم نہیں کہتے کہ مذکورہ جرنل کی یہ معلومات سو فیصد درست ہیں' لیکن اگر یہ غلط ہیں تو ابھی تک اس اخبار کے خلاف مقدمات کیوں نہیں کیے گئے؟ امریکہ اور یورپ میں تو ایسے مقدمات پر فوری اور سخت کارروائی ہوتی ہے۔ الزام غلط ثابت ہو جائے تو بھاری جرمانے وصول کیے جاتے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مقدمے اس لیے نہیں کیے کہ ان کے بڑے بڑے بنک اکاؤنٹ موجود ہیں۔ بلین ڈالر نہ سہی' کم سہی۔ یہ کھلا راز ہے کہ بیرونی ملکوں میں ان کی دولت بھی ہے' جایدادیں بھی ہیں۔ ان کے خاندان کے بہت سے افراد وہاں رہتے بھی ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد یہ خود بھی وہاں جا کر مقیم ہو جاتے ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں جو لوگ دولت جمع کر رہے ہیں اور جو یہاں پر مغربی تہذیب کے محافظ ہیں' ان کے سرمائے کی بیرون ملک بنکوں میں حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ ان کو کوئی خطرہ ہو تو باہر انھیں پناہ بھی مل جاتی ہے مگر اس سے ہمارا نظام اور ہماری نظریاتی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان ایک مضبوط اسلامی نظریاتی ملک بننے کے بجائے عملی طور پر ایک کمزور اور بے سمت و منزل ملک بن کر رہ گیا ہے جہاں لسانی اور علاقائی تعصبات زوروں پر ہیں۔ ملک کی یک جہتی اور نظریے کی اساس پر اتحاد کی کوئی سنجیدہ کوشش کبھی نہیں کی گئی' اس سے فرقہ واریت اور مسلکی اختلاف بھی بڑھتا رہا۔ دینی تعلیم یہاں ان علما کے ہاتھ میں ہے جو دین سے زیادہ اپنے مسلک سے محبت کرتے ہیں اور جو مشترکات کے بجائے اختلاف پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

شیعہ سنی اختلاف بہت پہلے سے چلا آ رہا تھا' جسے قتل و غارت گری تک پہنچا دیا گیا ہے۔ اب تو معمولی اختلافات شدید ذاتی انتقام اور نفرت میں ڈھل گئے ہیں اور لوگوں کو بے دردی سے مسجدوں میں قتل کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح بریلوی' دیوبندی اور اہل حدیث کے تعصبات بھی بستی بستی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مساجد کے نام' ان کی پیشانیوں پر' مسلک کے اعتبار سے لکھے ہوتے ہیں اور اس طرح ایک امت واحد کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ بقول اقبالؒ ۔ "ملتے بودی ملل گردیدہ ای"۔ انگریزی استعمار کے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے اصول کے مطابق حکومت اور بیورو کریسی مذہبی طبقے کو بانٹ کر انھیں کمزور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سے مذہبی طبقہ بدنام ہو رہا ہے اور بے اثر ہو چکا ہے۔ انتہا پسند اور جنونی لوگ بے لگام ہو چکے ہیں اور حکومت انھیں شہ دے رہی ہے۔ قتل و غارت گری کی جا رہی ہے' مگر کسی کو سزا نہیں ملتی۔

اس صورت حال میں اطمینان کی واحد صورت ایسے لوگوں کا بڑی تعداد میں موجود ہونا ہے جنھیں بچے

کھچے پاکستان کے بارے میں حقیقی فکرمندی ہے۔ ایک احساس زیاں ہے۔ میرے خیال میں قوم کے اندر یہ فکر مندی واحد صحت مند علامت ہے۔ میں نے اس احساس کا بڑے پیمانے پر ادراک کیا ہے۔ لوگ ملک کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے ہیں کہ کیا ہو گا اور کیا ہونا چاہیے۔ اس افراتفری اور مایوسی کے دور میں لوگوں کے اس احساس اور فکرمندی کو' میں انقلاب آفریں مرحلہ اور ایک turning point سمجھتا ہوں۔ یہ زندہ احساس اس لیے زندہ ہے کہ اگر گذشتہ نصف صدی میں ہم نے بہت کچھ کھو دیا ہے تو دوسری طرف مختلف پرائیویٹ اداروں' جماعتوں اور دین کا درد رکھنے والی شخصیات کی طرف سے مثبت کوششیں بھی کی جاری رہی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دین کی طرف رجوع کا ایک قوی رجحان لوگوں میں موجود ہے۔ نوجوانوں میں نماز قائم کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ قرآن حفظ کرنے والوں اور تجوید سیکھنے والوں کی بڑی تعداد ہے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان ہے۔ جدید تعلیم کے اداروں میں بھی خاصی بڑی تعداد دینی رجحانات رکھنے والے نوجوانوں کی ہے۔ حکومت اور اس کے تمام اداروں کی طرف سے مغربیت' عریانی اور فحاشی کی سرپرستی کے باوجود عوام میں اسلام پر مرمٹنے والے نوجوانوں کا وجود بہت غنیمت ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ بڑے پیمانے پر برائی کی تبلیغ کر رہے ہیں' لیکن نوجوان نسل میں' خواتین میں' اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے میں برائی کے خلاف مزاحمت موجود ہے۔ اسی طرح اس عرصے میں جہاد کا جذبہ ابھرا ہے۔ نوجوانوں کی خاصی بڑی تعداد نے افغانستان اور کشمیر کے محاذوں پر داد شجاعت دینے کے ساتھ ساتھ جانیں بھی قربان کی ہیں۔ اس سے جہادی کلچر اجاگر ہوا ہے۔ قوم میں خیر کے اس رجحان کی موجودگی کے اثر سے لوگوں میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کی خواہش ابھری ہے۔ ۱۹۹۷ کے انتخابات میں لوگوں کی عدم دلچسپی اس خواہش کی مظہر ہے۔ ہمارے اپنے اندازے کے مطابق ۲۰ فی صد لوگوں نے ووٹ ڈالے۔ حکومت نے مبالغہ آرائی کر کے کہا' ۳۵ فی صد ووٹروں نے حق رائے دہی استعمال کیا۔ مبالغہ' انتخابات کو کامیاب ثابت کرنے اور اعتبار پیدا کرنے کے لیے کیا گیا۔ ابھی ایران میں ۸۰ فی صد لوگوں نے ووٹ ڈالے۔ یہاں اگر ۳۵ فی صد کی شرح ہو تو بھی یہ لوگوں کی' اس پورے انتخابی عمل سے' مایوسی کا اظہار ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ عام لوگ آئین پاکستان کی دفعہ ۶۲' ۶۳ پر عمل درآمد کی عدم موجودگی میں اور احتساب کے بغیر' انتخابات کے بارے میں پہلے ہی مایوسی کا شکار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ آئین کی ان دفعات پر عمل درآمد اور بے لاگ احتساب کے بغیر اسی قسم کا گروہ پھر برسراقتدار آجائے گا جس سے پیپلزپارٹی کی شکل میں انھوں نے بڑی مشکل سے نجات حاصل کی تھی۔

گذشتہ چار ماہ کے عرصے میں حکومت کی کارکردگی سے لوگوں کے یہ خدشات بڑی حد تک درست ثابت ہو گئے ہیں۔ نواز شریف کے بارے میں جو لوگوں کی تھوڑی بہت خوش فہمی تھی کہ ملک میں معاشی خوش

حالی لائیں گے، وہ بھی مایوسی میں تبدیل ہو گئی ہے۔ حکومت نے جو بجٹ پیش کیا ہے اس میں ۱۹۵ ارب روپے کا خسارہ دکھایا گیا ہے۔ یعنی ساڑھے پانچ سو ارب کے مصارف ہیں اور آمدنی ۳۴۵ ارب روپے ہے۔ ۱۹۵ ارب روپے کا خسارہ کہاں سے پورا ہو گا؟ اگر بیرونی قرضے حاصل کریں گے تو قرضوں کی ادائیگی کا دباؤ مزید بڑھے گا۔ پہلے ہی ہم ۲۴۵ ارب روپے اس مد میں ادا کر رہے ہیں اور قوم پر بیرونی قرضوں کے علاوہ ۱۰۰۰ ارب روپے کے اندرونی قرضوں کا اتنا بڑا اور بھاری بوجھ بھی لدا ہوا ہے جس نے ہماری معیشت کو نڈھال کر رکھا ہے۔ باہر سے مزید قرضے نہ لیے تو نوٹ چھاپے جائیں گے جس سے افراط زر میں مزید اضافہ ہو گا اور مہنگائی عام آدمی کا جینا مزید حرام کر دے گی۔ اس بجٹ میں تو دفاع کے لیے بھی رقم نہیں بچتی۔ دعویٰ کیا گیا ہے کہ متوازن اور ٹیکس فری بجٹ پیش کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بجٹ پیش ہی نہیں کیا گیا۔ بجٹ تو آمد و خرچ کے توازن اور میزانیے کا نام ہے۔ اس بجٹ کا مطلب قوم کے سامنے اقتصادی لحاظ سے ایک تاریک مستقبل ہے۔ آئی ایم ایف اور دوسرے بیرونی مالیاتی اداروں کے دباؤ کے تحت درآمدات پر تمام ڈیوٹیاں ختم یا کم کر دی گئی ہیں اور وہ سامان درآمد ہو رہا ہے جو ہماری کسی قومی ضرورت کا نہیں۔ اس سے ننانوے فی صد لوگوں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ ایک فی صد مراعات یافتہ طبقے کی تعیش کی خواہشات پوری ہوتی ہوں تو ہوں اور اس کا سارا بوجھ ننانوے فی صد غریب عوام پر پڑتا ہے۔

جتنے قرض لیے گئے تھے، وہ ضائع کر دیے گئے۔ بہت سے قرض معاف کرا دیے گئے ہیں۔ ابھی سپریم کورٹ نے تفصیل پوچھی ہے کہ ۱۹۸۵ سے ۱۹۹۰ تک جو قرض معاف کیے گئے، ان کی تفصیل پیش کی جائے۔ سب سے زیادہ کرپشن کا عرصہ ۱۹۸۸ سے ۱۹۹۰ تک کا ہے مگر ۱۹۸۵ سے ۱۹۹۰ تک کا عرصہ بلاوجہ احتساب کے قوانین سے مستثنیٰ ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اس کی کوئی وجہ بھی نہیں بتائی گئی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ موجودہ حکمران خود قرض معاف کرنے میں، قرض ادا نہ کرنے اور پلاٹ الاٹ کرانے کے جرائم میں ملوث ہیں۔ یہ احتساب کے بارے میں بھی سنجیدہ نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی پارٹی کے ایک سینیٹر کو احتساب کا ذمے دار بنا کر عدلیہ کو اس کے ماتحت کر دیا ہے۔ ہائی کورٹ کے ایک جج نے اسے "گسٹاپو" کہا۔ حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ احتساب کا یہ نظام سخت ناقابل اعتبار ہے۔

پیپلز پارٹی کے خلاف جماعت اسلامی کی قیادت میں جو زبردست عوامی تحریک چلی، اس تحریک کی کامیابی کے بعد جماعت نے ۹۷ کے انتخابات میں حصہ لینے سے اس لیے انکار کر دیا تھا کہ یہ دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کے مطابق نہیں ہو رہے تھے۔ حالانکہ یہ تحریک اس بنیاد پر چلائی گئی تھی کہ گذشتہ دور کی لوٹ مار کا احتساب ہو گا اور کسی لٹیرے کے منتخب ہو کر برسر اقتدار آنے کے امکانات ختم کر دیے جائیں گے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا کہ انتخابات میں حصہ لینے والوں کو دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کا پابند کر دیا جاتا۔ دفعہ ۶۳ میں

کہا گیا ہے کہ صرف وہی شخص اسمبلی کے انتخابات کا امیدوار بن سکتا ہے جو دین کا بنیادی علم رکھتا ہو، کبائر سے اجتناب کرتا ہو، فرائض ادا کرتا ہو اور لوگوں میں اچھی شہرت رکھتا ہو۔ مگر بغیر احتساب کے اور بغیر آئین کی متعلقہ دفعہ کا لحاظ رکھے، انتخابات کرا دیے گئے۔ چنانچہ جماعت نے واضح آئینی اور قانونی بنیادوں پر انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ ہم نے کہہ دیا تھا یہ انتخابات ہمیں کسی منزل کی جانب نہیں لے جائیں گے۔ اس کے نتیجے میں ایک اور لٹیرا گروہ برسراقتدار آ جائے گا۔ انتخابات کے جو نتائج نکلے، جو لوگ اقتدار میں آئے اور انھوں نے گذشتہ عرصے میں جس کردار کا مظاہرہ کیا، اس کے بعد لوگوں نے اس بات کی تصدیق کر دی ہے کہ یہ دونوں گروہ ایک ہی کھوٹے سکے کے دو رخ ہیں۔ لوگوں میں پیپلزپارٹی کی طرح مسلم لیگ سے بھی مایوسی پیدا ہو چکی ہے۔ انھوں نے نواز شریف سے جو کچھ امیدیں وابستہ کی تھیں وہ بھی خاک میں مل گئی ہیں۔ لوگوں نے اپنے اس ردعمل کا واضح طور پر اظہار بھی کرنا شروع کر دیا ہے۔ جماعت اسلامی کے جو وفود ممبر سازی کے لیے عوام کے پاس جاتے ہیں، وہ واپس آکر بتاتے ہیں کہ لوگ جماعت اسلامی کو امید کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور جماعت اسلامی نے عوام سے رابطے کا جو راستہ نکالا ہے، لوگ اس کی تحسین کر رہے ہیں۔

ممبر سازی کی اس مہم کا ہمیں دہرا فائدہ ہوا ہے۔ اس سے جہاں لوگوں کی مایوسی امید میں بدلنے لگی اور وہ ملک کے مستقبل کو حقیقی معنوں میں سنوارنے کے لیے جماعت اسلامی کی قیادت قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کر رہے ہیں وہاں ہمارے اپنے کارکنوں کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ وہ متحرک ہو رہے ہیں۔ جس طرح بہتے پانی سے جراثیم مر جاتے ہیں، اسی طرح اس تحرک سے بھی تساہل اور کاہلی کے اثرات ختم ہو گئے ہیں۔ ہمارے کارکن خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے، اللہ کے راستے میں نکلے ہیں۔ مساجد میں ذکر کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اپنی تربیت ہوتی ہے۔ اعمال سنوارنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت بڑے پیمانے پر لوگوں کے ساتھ رابطہ ہوا ہے اور بڑے پیمانے پر پذیرائی ملی ہے۔ عام طور پر ایک سو ملاقاتوں میں سے ۸۰ افراد ممبر بن جاتے ہیں۔ کچھ علاقوں میں نصف لوگ ممبر بن جاتے ہیں۔ اب تک جہاں سے کم سے کم ممبر بننے کا رجحان سامنے آیا ہے، وہ بھی ۲۵، ۳۰ فی صد کی نسبت ہے۔ اچھی بات تو یہ ہے کہ ممبر نہ بننے والے لوگ بھی مخالفت نہیں کرتے، تاہم مختلف وجوہ بیان کر کے ممبر بننے سے معذرت کرتے ہیں۔ جماعت کے کارکنوں کو اس سے زبردست حوصلہ ملا ہے۔ اب تک کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں بارہ لاکھ افراد ممبر بن چکے ہیں اور ستمبر کے اواخر تک ہمارا اندازہ ہے کہ ان شاء اللہ پچاس لاکھ ممبر بنانے کا ہدف پورا کر لیا جائے گا۔

پچاس لاکھ ممبر بن جائیں گے تو ان شاء اللہ منظر بالکل تبدیل ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم تنظیم کا کام بھی کر رہے ہیں۔ ہمارے کارکن جہاں بھی جاتے ہیں، گلی محلے اور یونین کونسل کے ہر وارڈ کی سطح تک جماعت اسلامی کی رابطہ کمیٹی بنا دیتے ہیں۔ اس رابطہ کمیٹی میں صدر، نائب صدر، جنرل سیکرٹری،

جائنٹ سیکرٹری' ناظم بیت المال اور دوسرے پانچ چھ افراد پر مشتمل مجلس عاملہ قائم ہو جاتی ہے۔ یہ دس پندرہ آدمیوں پر مشتمل رابطہ کمیٹی مل کر کام کرنے والی ایک ٹیم بن جاتی ہے۔ یہ یونٹ تقریباً ایک سے دو ہزار آبادی کی نمایندگی کرے گا۔ ان شاء اللہ یہ وہاں مختلف شعبوں میں اقدام پیشہ اور Initiative لینے والے ہوں گے۔ یہ کمزور' غریب اور ضرورت مند عوام کی مسائل حل کریں گے۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوں گے۔ ظلم کے خلاف' غنڈہ گردی کے خلاف یہ عوام کو منظم کریں گے۔ جہاں وسائل ملیں گے' وہاں کوئی تعلیمی ادارہ اور خدمت خلق کا کوئی ادارہ قائم کر دیں گے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ آبادی کے اندر بہت گہرائی تک ہمارا پیغام اور دعوت پہنچے گی۔ اس پورے عمل کے نتیجے میں ان شاء اللہ ایک بڑی تبدیلی--- ایک زبردست انقلاب کا آغاز ہو گا۔ ہم نے اپنے کارکنوں سے کہا ہے کہ جہاں بھی رابطہ کمیٹی قائم ہو' وہاں ایک دفتر بھی قائم کر دیں۔ اس دفتر پر جماعت کا تین رنگوں والا بورڈ لگا کر اس پر لکھ دیں--- "جماعت اسلامی رابطہ کمیٹی" ' فلاں وارڈ یا محلہ وغیرہ۔ اس پر جماعت اسلامی کا جھنڈا لگا دیں۔ اس سے ان شاء اللہ پورے ملک میں یہ تاثر بھی ختم ہو جائے گا کہ جماعت اسلامی مخصوص لوگوں کی چھوٹی سی جماعت ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف پہلے ہی لوگ کر رہے ہیں کہ جماعت اسلامی دیانت دار اور بے لوث افراد کی منظم ترین جماعت ہے اور یہ کرپشن کو مٹا سکتی ہے' وہاں یہ بات بھی چند ماہ کے اندر اندر انشاء اللہ مسلمہ حقیقت بن جائے گی کہ جماعت اسلامی ملک کی سب سے بڑی عوامی تحریک ہے۔ یہ انقلاب لانے کی صلاحیت کی حامل ہے اور اس کے پاس ہر شعبے میں انقلاب لانے کے لیے افرادی قوت اور اہلیت موجود ہے۔ یہ جو پھبتی کسی جاتی ہے کہ "ملا" آ جائیں گے اور ملا کا انقلاب آ جائے گا' تو ہم یہ واضح کر دیں کہ جماعت اسلامی کسی خاص طبقے کی جماعت نہیں' اس میں ہر مسلک' نسل اور زبان کے لوگ ہیں۔ البتہ اس میں انتہا پسند لوگ شامل نہیں۔ اس میں ہر پیشے اور شعبے کے دین کا درد رکھنے والے لوگ ہیں۔ مزید اچھے لوگ شامل ہو رہے ہیں۔ ان شاء اللہ ہم اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ نظام کی بنیاد پر ایک حقیقی انقلاب کی داغ بیل ڈالنے کی تیاری کے مرحلے میں ہیں۔

پچاس برسوں میں جہاں استعماری ایجنٹوں نے مختلف ناموں سے اقتدار میں رہ کر ملک کو تباہی کے گڑھے کے کنارے لا کھڑا کیا' وہاں قوم کے اندر خیر کی قوتوں کی شکل میں ایک متوازی احساس موجود رہا ہے' اور وہ اب ایک قوت اور ایک حیات بخش انقلاب کی شکل میں نمودار ہونے والا ہے۔ جماعت اسلامی ایک ہمہ گیر اسلامی تحریک کی شکل میں انقلاب کا پیغام لے کر ابھری ہے جو قوم کو علاقائی' نسلی اور لسانی اختلافات سے بالاتر ہو کر اسلامی نظریے کی بنیاد پر اکٹھا کرے گی' ایک لڑی میں پروئے گی اور سارے انسانوں کے لیے ایک عادلانہ نظام قائم کرے گی تاکہ ملت اسلامیہ پاکستان ان مقصد کو حاصل کر سکے جن کے لیے یہ ملک قائم ہوا

تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ آخرت میں کامیاب ہو سکے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں جماعت اسلامی "سولو فلائیٹ" چلا رہی ہے۔ یہ سولو فلائیٹ نہیں، یہ تو پوری قوم کو متحد کرنے کی جدوجہد ہے۔ ایک ہمہ گیر دعوت ہے۔ بہت سی جماعتوں کا اتحاد بنا کر کام کرنے کا طریقہ ناکام ہو چکا ہے، اس لیے کہ مختلف جماعتوں میں بالعموم نظریے یا طریق کار کا اختلاف ہوتا ہے یا ان میں شخصیات کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ اگر اختلافات کی یہ شکلیں موجود ہوں، اور آپ ایسے لوگوں کو یک جا کر بھی دیں، تو وہ کسی بڑے چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اکثر ایسے لوگ عین وقت پر منتشر ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کو بالکل یکسو قیادت میسر نہیں آسکتی اور مزید مایوسی پھیلتی ہے۔ حال ہی میں بارہ جماعتوں کو سیکولر بنیادوں پر اکٹھا کرنے کی ایک کوشش کی گئی، مگر عوام میں اس اتحاد کو پذیرائی نہیں ملی، اس لیے کہ ان میں سے اکثر جماعتوں اور لیڈروں کے نام بھی لوگوں کو معلوم نہیں۔ اسی طرح ایک جگہ کھانے پر کچھ جماعتوں کی رہنما اکٹھے ہوئے، وہاں بھی اتحاد بنانے کی بات ہوئی، مگر اکثر شرکا نے وہیں پر اس سے اختلاف کیا۔ اس قسم کے اتحاد لوگوں کے اندر کسی قسم کی امید پیدا کرنے کا باعث نہیں بن پاتے، جب کہ جماعت اسلامی کو بڑے پیمانے پر امید بھری نظروں سے دیکھا جا رہا ہے، اس لیے کہ لوگوں کو اس کی شکل میں درست سمت میں رہنمائی اور یکسو قیادت مل رہی ہے۔

الحمدللہ قافلہ منظم ہو چکا ہے، امید کی روشنی پھیل رہی ہے۔ اس مرحلے پر میں ایک خدشے کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہا جاتا ہے جس طرح الجزائر میں غیر ملکی طاغوتی طاقتوں نے اسلامی تحریک کے برسراقتدار آنے کو برداشت نہیں کیا اور قوت کے بل بوتے پر اسلامی فرنٹ (FIS) کو دبانے کی کوشش کی، تو کیا یہاں پاکستان میں ایسا نہیں ہو گا؟ ہمارے خیال میں اگر اس ضمن میں دینی قوتوں کے خلاف فوج کو استعمال کرنے کی کوشش کی گئی تو فوج کی یکسوئی بری طرح متاثر ہو گی۔ فوج میں بہت بڑی تعداد میں دینی اور اسلامی عناصر موجود ہیں جو عوام کی پرامن اور جمہوری طریقے سے اٹھائی گئی تحریک کو کچلنے کے عمل سے متاثر ہوں گے۔ مجھے یقین ہے فوجی قیادت فوج کے مضبوط اور متحد ادارے کی یکسوئی متاثر کرنے کی غلطی نہیں کرے گی۔ ملک میں واحد مضبوط ادارے کے اتحاد کو داؤ پر لگانا ملک دشمنی ہو گی۔ فوج خود عوامی قوت کے خلاف کھڑا ہونا قبول نہیں کرے گی لیکن شرط یہ ہے کہ عوام (masses) پوری طرح تحریک کا ساتھ دیں اور پرامن رہیں۔

ایک خدشہ یہ بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ملک کا نظام تباہی سے دوچار ہے، آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے، امن و امان کی حالت خراب ہے، رشوت اور کرپشن ہے، ملک کی دولت کو لوٹا گیا ہے۔ کیا جماعت اسلامی اس خرابی کی اصلاح کر پائے گی اور اگر کوئی تبدیلی آ بھی گئی تو کیا جماعت عوام کی توقعات پر پورا اتر سکے گی؟ ہم سمجھتے ہیں اگر ایک اچھی اور بے لوث قیادت ملک کو میسر آ جائے جس کی پشت پر ایک منظم تحریک ہو، جس

کے مخلص اور دیانت دار کارکن ملک کی ہر بستی اور ہر گلی کوچے میں موجود ہوں اور وہ یہ تہیہ کرلیں کہ ہم عدل و انصاف کے لیے کام کریں گے، معاشرے کی تطہیر کے لیے جان لڑا دیں گے، اختیارات کا ناجائز استعمال نہیں کریں گے تو یہ عین ممکن ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مراعات یافتہ طبقے نے "ایلیٹ کلچر" بنا رکھا ہے جو عوام سے بالاتر رہتے اور اپنے معیار زندگی کو بلند رکھتے ہیں اور جو اپنے لیے پچاس ہزار اور ایک لاکھ روپے ماہانہ آمدنی کو بھی کم سمجھتے اور غریب طبقے کے لیے دو چار ہزار روپے کو بھی زیادہ سمجھتے ہیں۔ ان شاء اللہ ہم اس طرح کے کلچر کو ختم کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور اسے ختم کریں گے۔ ہمارے تمام کارکن متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ حکومت میں جاکر حکومتی خزانے پر بوجھ نہیں بنیں گے، بلکہ قومی خزانے کو غریب عوام کے لیے وقف کردیں گے۔ قیادت پہلے ہی مرحلے پر عوام کو یقین دلا دے گی کہ وہ ان میں سے ہے۔ کوئی بھی صدر یا وزیراعظم کے محل کو استعمال نہیں کرے گا۔ گذشتہ بجٹ میں صرف ان دو گھروں کا خرچ ۲۷ کروڑ تھا۔ ہم نے بار بار کہا ہے کہ سرکاری فرائض اپنے سیکرٹریٹ میں ادا کرسکتے ہیں، اپنی ذاتی زندگی عوام کی سطح پر گزاریں۔

ہمارے خیال میں حاکم، بڑے افسر اور ایک عام شخص کے لیے یکساں اصول زندگی ہونا چاہیے کہ اس کے پاس ایسا مکان ہو جس کی دیکھ بھال اس کے گھر کے افراد خود کرسکیں۔ اس کی بیوی خود کھانا پکائے۔ اس کے گھر میں افراد خانہ سے زیادہ تعداد نوکروں کی نہ ہو، بلکہ گھر کے افراد خود مل کر کام کریں۔ الحمدللہ ہم پہلے ہی ایسی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ معیار زندگی ہر جگہ اپنا سکتے ہیں۔ ہمارے کارکنوں کی بھی یہی تربیت ہے اور ہمارے بچوں کو بھی یہی سکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی طرز عمل کو ہم اپنے اور اپنی اولاد کے لیے مضر اور مخرب اخلاق سمجھتے ہیں۔ جماعت اسلامی کے بعض افراد کے پاس اس وقت بھی وسائل موجود ہیں، لیکن انھوں نے اپنا کلچر تبدیل نہیں کیا۔ اگر جماعت کے لوگوں کے پاس اختیارات آگئے تو وہ اس سے بھی کم تر معیار زندگی اپنانے پر بخوشی رضامند ہو جائیں گے۔ یہ پوری طرح اس بات پر آمادہ ہیں کہ انھیں ملک و قوم کو تباہی کے گڑھے سے نکالنے اور بچانے کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کرنا ہے، چاہے کیسی ہی قربانی دینی پڑے۔ ہم جو انقلاب لانا چاہتے ہیں اس میں پوری قوم کو جہادی سپرٹ اور شہادت کے جذبے سے شریک کرنا چاہتے ہیں۔ ہم پوری پاکستانی قوم کو اس بات کے لیے تیار کر رہے ہیں کہ اپنی آزادی کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اقبال نے کہا ہے ۔

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصابِ زر و سیم

مسلمان قوم کی قوت کا راز اس بات میں پنہاں ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں مرنے کے لیے ہمہ وقت تیار

رہتی ہے۔ اس بات کو قرآن پاک میں یوں بیان کیا گیا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۶: ۱۶۲)' "کہو' میری نماز' میرے تمام مراسم عبودیت' میرا جینا اور میرا مرنا' سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے"۔ جو موت کے سرمائے کو اللہ کے لیے وقف کر دیتا ہے' صحیح معنوں میں آزادی کا لطف بھی وہی اٹھا سکتا ہے۔

جماعت اسلامی اس تمدن کو بدل کر شرافت' پاک بازی اور جہاد کا کلچر لانا چاہتی ہے۔ موجودہ تمدن جس میں بے حیائی اور فحاشی کو فروغ مل رہا ہے' یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس نے معاشرے کو فساد اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ جب جہاد کا کلچر پھیلے گا تو ہماری پوری نوجوان نسل کم تر اور گھٹیا مشاغل چھوڑ کر اعلیٰ مقاصد اور ارفع نصب العین کے لیے جینا شروع کر دے گی۔ جماعت اسلامی گذشتہ پچاس برس سے اس نظام کے لیے تیاری کرتی آئی ہے۔ ہم سود سے پاک معیشت کا نظام لانے کے لیے پوری طرح تیاری (home work) کر چکے ہیں۔ ہم ملک کو ایک جامع نظام تعلیم دیں گے۔ ہم نوجوان نسل کے لیے صحت مند تفریح اور دلچسپ مشاغل کا ایک پیکج دیں گے جس سے ان کی صلاحیتوں کو نکھار ملے گا اور وہ معاشرے کے لیے مفید شہری بنیں گے۔ ان شاء اللہ ہم اپنی فوج کو مضبوط تر بنائیں گے' اس کی دفاعی صلاحیت میں اضافہ کر کے اسے ناقابل تسخیر بنا ڈالیں گے۔ اگر کسی کے دل میں یہ وہم ہے کہ امریکہ ہمیں اسلحے کی ترسیل روک دے گا' تو اب اسلحہ فروخت کرنے والے لوگوں میں مسابقت ہے' ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ امریکہ کی بات روس سنتا ہے نہ فرانس اور نہ جرمنی۔ ہم جہاں سے چاہیں اسلحہ حاصل کریں گے۔

جماعت اسلامی کو دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے مقابلے میں اپنے کارکنوں کی تربیت اور تنظیم کا زیادہ موقع ملا ہے۔ اس کے کارکن ایسی بڑی طاقت ہیں کہ جو حالات تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ آیندہ چند ماہ کے دوران میں یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہمارے یہ کارکن پورے منظر کو بدلنے کی کیسی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے تمام بہی خواہوں کے مشورے کے ساتھ ملک کے لیے ایک بہتر لائحہ عمل طے کریں گے۔ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ سے باہر بھی' پوری دنیا میں جماعت اسلامی کے پروگرام اور دعوت سے محبت رکھنے والے اہل الرائے لوگ ہیں۔ ملک کے لیے نئے نظام کی تشکیل میں ان سب حضرات کے مشورے سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا' ان شاء اللہ۔

اس طرح ہم ملک کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر ان شاء اللہ اپنی قوم کو مایوسیوں کے عمیق غار کے دہانے سے نکال کر روشن مستقبل کی واضح نشاندہی کریں گے اور انھیں آزادی کے حقیقی معنی سے آشنا کر کے اس کے ثمرات سمیٹنے کے لیے آمادہ کریں گے۔ اگر ہم اللہ کی توفیق سے اس میں کامیاب ہو سکے تو پچاسویں سالگرہ کے موقع پر قوم کے لیے اور آیندہ نسلوں کے لیے یہ ایک بہترین تحفہ ہو گا۔